

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فقہ جعفری کی اساس و ہیئت اور اجتہاد

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب صدر الافاضل

یہ بات سب جانتے ہیں کہ اسلام میں حاکمیت کا حق صرف اللہ کو ہے اور مسلمان صرف احکام خدا کی اطاعت کو دینی طور پر واجب جانتا ہے، غیر اللہ کی اطاعت حرام ہی نہیں، بلکہ کہیں کفر ہے کہیں نفاق ہے، کہیں عصیان و نافرمانی ہے۔ اللہ ہی خالق و مالک و وہی حاکم و مولیٰ ہے، سوۃ الاعراف کی آیت نمبر ۵ ہے۔ اِلٰهَ الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (خلق و امر) اللہ کی خصوصیات و امتیازات ہی میں نہیں بلکہ صرف اور صرف اسی کے ساتھ مختص ہے۔ وہ رب العالمین ہے اور برکت والا ہے) حاکمیت النبیہ کی تفصیلات قرآن مجید میں موجود ہیں، مسلمان ان تمام تعلیمات کو تسلیم کرنے کے بعد کہتا ہے۔ لا اِلٰهَ اِلَّا اللَّهُ۔ کوئی معبود کسی کلی یا جزوی اطاعت کے قابل نہیں، بلکہ کوئی کسی طرح کا معبود ہے ہی نہیں، معبود و قابل اطاعت کا ملہ صرف وحدۃ لا شریک، اللہ ہے۔ سورۃ یوسف میں دو جگہ اور سورۃ الانعام میں واضح طور پر فرمایا۔ اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ، اور سورۃ انعام ہی کی آیت نمبر ۶۷ میں یہی بات دوسری تنبیہ و تاکید میں یوں آئی ”اِلَّا لَہُ الْحُکْمُ وَہُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِیْنَ“ یاد رکھو، تو جہ اور دھیان دو۔ حکم صرف اللہ ہی کا ہے اور وہ بہت جلد اور بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔

اللہ نے اپنی حاکمیت کے قیام و دوام کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا، اور قرآن مجید نازل کیا، اس لیے نہیں کہ وحی لوگوں کو سنا کر اور پیغام الہی پہنچا کر چلے آئیں، آپ کا فرض منصبی آیات سنانا، ضمیر و نفسیات انسانی کو پاک بنانا، قرآن مجید کی تعلیم دینا اور حکمت سے آشنا کرانا تھا۔

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من
انفسهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب
والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين۔ (۱۶۲)

ترجمہ: یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، کہ ان میں ایک رسول خود ان میں سے بھیجا، وہ ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت فرماتا، انہیں پاکیزہ بناتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ وہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

محمد رسول اللہ — کا مطلب — محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقط پیغام رسان نبوی نہیں بلکہ وہ اللہ کے آخری نمائندہ خاص اور حکومت الہیہ کے سربراہ ہیں

انا انزلنا اليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك

اللہ۔ (آیت ۱۰۵)

ترجمہ: ہم نے تم پر کتاب برحق نازل کی تاکہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو، جو اللہ نے تمہیں دکھایا، اس کی روشنی میں۔

امور حکومت بلکہ ہر معاملے میں آپ کی بات کو اپنی بات قرار دے کر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کو تمام بندوں سے بلند ترین، اور تقرب خاص کی عظیم ترین منزل پر سرفراز فرمایا:

وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى۔ (الحجہ: ۳)

بہا وہ خواہش سے قوبات کرتا ہی نہیں اس کی بات تو فقط وہی وحی ہے جو اسے خدا کی طرف سے
عطا ہوتی ہے۔

ہم سب کے بارے میں سورۃ النساء میں ایک کلیہ بتایا:
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُوا بِمَا شَهِرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيَسْلُمُوا
تَسْلِيمًا۔ (۶۵)

ترجمہ: تو، قسم ہے تیرے رب کی، جب تک وہ اپنے باہمی اختلافات میں تجھے
اپنا حکم نہ مان لیں اور تیرے کئے ہوئے فیصلے پر تنگی دل محسوس نہ کریں
اور کا حق اے تسلیم نہ کریں اس وقت تک وہ مومن ہی نہیں ہو سکتے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ (النساء آیت ۶۴)
ترجمہ: اور ہم نے کسی رسول کو بھیجا ہی نہیں مگر اس لئے کہ حکم خدا سے اس کی
فرمانبرداری کی جائے۔

وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ۔
ترجمہ: اور (اس) رسول کی جو بھی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔
پھر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اپنی آخری کتاب، اپنے کامل و
اکمل دین اور اپنی حاکمیت مطلقہ کو نافذ و غالب بنانے کے لئے بھیجا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ (الصفت - ۹)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے اس رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ

تمام ادیان پر اسے غلبہ دے، خواہ مشرک اس بات کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔
اور حکم عام دیا:

اَن كُنْتُمْ تَحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يَحْبِبْكُمْ اللّٰهُ- (ال عمران: ۳۱)
ترجمہ: اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری (محمدؐ) کی اطاعت کرو، اللہ تم سے
محبت کرنے لگے گا۔

وَمَا اَتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا- (الحشر: ۱)
ترجمہ: اور رسولؐ جو بھی تمہیں دیں وہ قبول کرو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔
اس کے بعد ہر فیصلے میں حکم خدا کے خلاف اور قرآن حکیم سے روگرداں رائے
دینا، کفر و ظلم ہے، مسلمان کا طریقہ گردن جھکانا اور فرمان خدا بجالانا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ- (المائدہ: ۴۴)
ترجمہ: اور جس نے بھی اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلہ کیا، وہ کافر لوگ ہیں۔
وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ- (البائدہ: ۴۴)

ترجمہ: اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلہ جس نے بھی کیا، وہ ظالم لوگ ہیں۔
اور اسی سلسلے کی یہ آیت بھی اصول و آئین کی حیثیت رکھتی ہے:

لَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَيَمْسِكُمْ اِلَى النَّارِ وَمَا لَكُمْ مِنْ

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيّآءٍ ثُمَّ لَا تُنصِرُوْنَ- (ہود: ۱۱۳)

ترجمہ: جن لوگوں نے ظلم کیا، ان کی طرف نہ جھکو، پھر تم کو آتش جہنم پکڑ لے گی اور
اللہ کے علاوہ تمہارے مددگار ہیں بھی نہیں۔

ان آیات سے کم از کم یہ بات ضرور معلوم ہوئی کہ غیر اسلامی افکار و فلسفہ اور
قانون کی طرف جھکاؤ، اور غیر اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی طرف استناد و مسلمان

کاشیہ نہیں۔ جب اُسے جامع اور کامل نظام حکمرانی مل چکا، جب اسے ہمہ جہانی فلسفہ فکر و عمل دے دیا گیا، جب اس کے پاس بے عیب و خلل قانون موجود ہے، تو پھر حیرانہ کی طرف جھٹکا کیسا؟ اور حیز از رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی بات ماننے کے لیے جواز کیسا ہے؟ بلاشبہ انسان اور معاشرہ، ضروریات اور افکار کا پھیلاؤ دن بہ دن بڑھتا ہے احتیاجات بشر روز افزوں ہیں۔ لیکن اسلام ان پر بند بھی تو نہیں باندھتا۔ اس نے ترقی سے کب روکا؟ وہ تو انفس کو آفاق کی وسعتوں کا حامل جانتا اور ہر آن مطالعہ و مشاہدہ کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن دنیا کے کسی دانشور نے، دُنیا کے کسی نظام نے، دُنیا کے کسی مفکر نے جو بتیت فلسفے نے بھی یہ نہیں کہا کہ آدم زاد بشر بے مہار ہے۔ جن لوگوں کی نظر مادی فلسفے پر مبنی نظام مائے زندگی و حکومت پر ہے وہ جانتے ہیں کہ اس نظام میں انسان کو لب کھولنے، اپنے دائرے سے باہر قدم نکالنے کا بھی حق حاصل نہیں۔

اسلام تاقیامت رہنے والا دین ہے، اس میں ہر تبدیلی کا غیر مقدم، ہر علمی اور سائنسی عمل کا جواز اور ہر قسم کی معلومات حاصل کرنے کی بہت افزائی ہے۔ پذیرائی اجازت اور تشویق کے ساتھ، اصولوں کی نگہداشت اور قوانین کی پابندی نہ ہو تو نظام و فلسفہ باطل ہو جاتا دستور قانون کی عمل داری برقرار رکھنے، عملت پسندی، لذت دوستی، اپنی بھلائی چاہنے اور دوسروں کے حقوق چھین لینے کی ہوس پر کڑی نظر رکھنے ہر شخص کے آقا بننے اور دوسروں کو غلام بنانے کی روک تھام کے لیے نظام عدل کو جاری رکھنے اور اللہ کی حکومت برقرار رکھنے کے لیے۔ تَفَقْهَ فِي الدِّينِ، — دین فہمی — اور — اجتہاد کی اجازت دی — اور ماحول و ضروریات کی تبدیلی کے وقت صحیح فیصلہ کرنے اور نئی افتاد پر ہر چیلنج قبول کرنے بلکہ خود چیلنج کرنے کو ایک الجھن، ایک ٹیم، ایک گروہ اور ایک جماعت ماہرین کو ہمہ وقت تعلیم و تعلم کا پابند کیا۔ فہم دین اور دین شناسی کا عمل ایک لمحے کے لیے معطل نہیں ہو سکتا، پھر دین شناسی، ایک ذات یا چند افراد کا نجی عمل نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری اس علم کا ابلاغ، حکم کی ترویج اور قانون کا نفاذ

اجتماعی ذمہ داری ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۲۲ ہے۔

وما كان المؤمنون لينفروا كافة، فلولا نفر من كل

فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم

اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔

ترجمہ: مومنوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ سب کے سب جہاد کے لیے نکل پڑیں، ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت جہاد کے لیے جائے اور (بقیہ لوگ اس لیے رہ جائیں کہ) دین کے معلومات (دین شناسی) حاصل کریں اور جب (جانے والے) واپس آئیں ان کے پاس تو یہ اپنی قوم کو (محرمات اور برے کاموں سے) ڈرائیں تاکہ وہ بچتے (اور احتیاط کرتے) رہیں۔

جنگ جیسی ہنگامی حالت میں ”تفقد فی الدین“ کی خاطر کچھ لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں رہنا اور دین کو سمجھنا، پھر فوج کی واپسی پر انہیں امر و نہی، تعلیم و تنبیہ، سیاست کے معاملات اور قابل احتیاط امور سے متنبہ کرنا، اس آیت کا حکم ہے، اس سے اجتناد کا رجحان اور مجتہد کا منصب معلوم ہوتا ہے، چونکہ ہادی امت، رسول اعظم، نبی خاتم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دن رفیق اعلیٰ کے پاس جانا تھا اس لیے اپنے تعلیمات کی علمی اور عملی توضیح و تشریح کے لیے، شریعت کو تحریف و تحزیب سے بچانے کے لیے ایک ذمہ دار فرد، ایک تربیت یافتہ شخص یعنی اپنا خصوصی ترجمان، اپنی فکر و روح کا متبادل امت کی نگرانی کے لیے چھوڑنا چاہیے تھا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”ناطمة بضعة منی۔“ یا علی انت منی وانا منک۔ اور امام حسنؑ کے لیے فرمایا: هذا منی۔ امام حسینؑ کے لیے ہے: حسین منی وانا من الحسنین۔ لہذا ہر ان حضرات

کو نایندہ سنت جانتے اور میں سنت مانتے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اسلامی قانون مستمرو جاری ہے، کائناتی تغیرات اور معاشرتی عروج و زوال سے پیدا ہونے والے مسائل کے لیے قانون کے قطعی اصول موجود ہیں جن کی بنیاد پر حل مسائل ہر لمحے کی ضرورت ہے، لہذا اجتہاد زندہ اور اس کا عمل مسلسل ہے، اس عمل کے بنیادی ماخذ اور ان سے استنتاج کی نوعیت کا تعارف یہ ہے:

ماخذ، تعارف و حدود

کتاب، قرآن مجید، بلا شک و شبہ احکام خدا کا پہلا سرچشمہ اور اولین ماخذ اور کتابِ خدا ہے علماء کے اندازے میں تقریباً چھ سو آیتیں احکام پر مشتمل ہیں، فقہاء نے ان آیتوں کی تفسیر فقہی لکھی ہے، مشہور کتابوں میں، قطب الدین، ابوالحسن، سعید بن جبہ، اللہ راوندی (م ۵۷۳ھ) کی ”فہم القرآن“ اور فاضل مقداد سیوری کی کنز العرفان اور مقدس زویلی ملا احمد بن محمد متوفی ۹۹۳ھ کی ”آیات الاحکام“ قابل توجہ ہیں۔ تمام فقہاء استنباط احکام اور دلائل فتویٰ میں قرآن کو سب سے پہلے دیکھتے اور اس سے رجوع کرتے ہیں۔

سنت، گفتار و کردارِ عمل و تائیدِ معصوم — یعنی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی حکم دیا، یا کوئی عمل معین انداز سے کیا یا لوگوں نے کوئی کام انجام دیا اور حضور نے اس پر روکا تو کا نہیں بلکہ بظاہر اس پر راضی رہے، تو یہ بات ہر مسلمان کے لیے حجت اور حکمِ قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔

سنت کے تین مراحل ہیں۔

- (الف) قول و فعل و تقریر (تصدیق و تائید) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- (ب) نقل قول و فعل و تقریر رسول اللہ از معصومہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام۔
- (ج) قول و فعل و تقریر معصومین۔

پہلی صورت، بلا اختلاف سند ہے، قرآن مجید کے واضح حکم اور احادیث و عملِ صحابہ و

اہل بیتؑ اس پر دلیل ہے۔

دوسری صورت بھی عموماً تسلیم کی گئی ہے۔

تیسری صورت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت فاطمہ زہراؑ نیز ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی حدیث؛ تو قرآن و حدیث نبی خاتم صلی اللہ علیہ السلام سے ان کا واجب الاتباع ہونا ثابت ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و

اولی الامر منکم۔۔۔۔۔ (النساء: ۵۹)

ترجمہ: ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو رسولؐ اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہیں۔۔۔۔۔

آیت میں چونکہ اولی الامر کی اطاعت کا حکم ضمن اطاعت رسولؐ میں موجود ہے۔

شیعوں کے نزدیک اولی الامر معصوم اور منصوص من اللہ ہوتا ہے ان حیثیت سے

یہ لوگ ثانی رسولؑ، ترجمان نبی اور واضح طور پر واجب الاتباع ہیں، مزید تشریح اس حدیث سے

ہوتی ہے، جسے حضرت زید بن ارقمؓ نے آنحضرتؐ سے بایں الفاظ روایت کی ہے۔

انی ترک فیکم ما ان تمسکم بہ لن تفضلوا بعدی و

کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض و

عترتی اہل بیتی: ولن یفترقا حتی یردنا علی الحوض

فانظروا کیف تخلفون فیہما۔

ترجمہ: میں نے تم میں چھوڑی وہ چیز کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ

ہو گے، اللہ کی کتاب آسمان سے زمین کی طرف ایک لمبی رستی ہے اور میری عترت

میرے اہل بیت اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ دونوں میرے پاس توغیر

پرائیں گے۔ دیکھو ان دونوں کے ساتھ میرے بعد تم کیسا سلوک کرتے ہو۔

جناب زید بن ثابت کی روایت ان لفظوں میں ہے۔

”اَللّٰی تَارَكَ فِیْكُمْ خَلِیْفَتَیْنِ -“ اور بالفاظِ روایت ابی سعید الخدری آنحضرت

نے فرمایا ”اِنِّیْ تَارَكَ فِیْكُمْ الثَّقَلَیْنِ“ متعدد آیاتِ اہادیث کی طرح ان دونوں سنوں

سے درج ذیل نتیجے نکلتے ہیں:

الف۔ اُمّ اہل بیت کی عصمت، کیونکہ وہ قرآن مجید کے ساتھی ہیں اور دونوں

میں جدائی ممکن نہیں۔

ب۔ قرآن کی طرح اُمّ اہل بیت علیہم السلام سے تمسک واجب ہے۔ ان کی

بات سچی اور ان کا کام قرآن کا ترجمان ہے۔ ان کے تعلیمات پر عمل فرض ہے،

لہذا ان کے الفاظ یا قرآن سے مربوط ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے۔ خود اُمّ علیہم السلام نے بھی یہی فرمایا ہے:

”امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میری حدیث میرے والد کی

حدیث ہے اور میرے والد کی حدیث میرے جد بزرگوار کی حدیث، ان کی حدیث

امام حسین کی حدیث، امام حسین کی حدیث امیر المؤمنین کی حدیث اور ان کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے اور حضور کی حدیث خداوند عالم کی بات ہے۔

(الاصول الکافی جلد ۱ باب روایتہ المکتب)

سنت، مسلسل سند اور راویوں کے ذریعے ہم تک پہنچی اور ہم احکام میں

بے چوں و چرا ان روایتوں پر مکمل اعتماد کرتے ہیں جو قطعی اور متواتر ہوں۔ قطعی خبر یعنی

”خبر واحد“ جنت ہے یا نہیں؟ خبر واحد سے حکم خدا و رسول ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

یہ ایک بحث طلب بات ہے، ہمارے علماء کا طریق کار یہ ہے کہ نہ حدیث صحیح و مؤثقہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ حدیث کے بہت سے مجموعے مآخذ و مصادر کے طور پر موجود ہیں۔ ہر روایت راوی کی انفرادی صفات اور متن کی ساخت کے لحاظ سے چھانی پھنکی اور کوئی پر کسی جاتی ہے۔ فقیہ کے لئے ضروری و لازم ہے کہ وہ متن و روایت و علم رجال سے کما حقہ واقف ہو، اور حدیث پر عبور رکھتا ہو۔

فہم قرآن کی طرح فہم حدیث بھی انتہائی نازک و دشوار ہے، فہم قرآن مجید کے لئے لغت و معانی و بیان، صرف و نحو جیسے مقدماتی علوم سے گزرنا پڑتا ہے اس کے بعد چند دوسرے مقدمات کا اضافہ مطالعہ حدیث کے لئے ناگزیر ہے۔ روایت و روایت رجال و سند پر نظر کے بعد۔ الکافی، من لایحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام، الاستبصار فیما اختلف من الاخبار، اور وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، مصادرِ ہمہ کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث کے مجموعے اور سنت کے جو امع فقیہ مانے گئے ہیں۔ لیکن مجتہد انہیں پر اکتفا نہیں کرتا۔ وہ ہر وقت حدیث کی تلاش اور ان پر بحث و نظر کرتا رہتا ہے، موضوع، مسائل اور دلائل کی جستجو اس کا منصب ہے۔

اجماع، قرآن و سنت کے بعد فتوے کا تیسرا مآخذ اور اصول فقہ میں تیسری دلیل شرعی اجماع ہے۔ چونکہ حق تشریح صرف اللہ کو ہے، تشریح و تعین احکام رسول کا کام ہے، اس لئے ایک شخص کوئی ذاتی فیصلہ کرے یا قوم مل کر اتفاق رائے کرے۔ دونوں طرح حلال خدا حرام اور حرام خدا حلال نہیں ہو سکتے، اور کسی طرح قانون خدا پر بالادستی حاصل نہیں کی جاسکتی، قرآن و سنت کے مقابلے میں حکم کا سوال ہی نہیں، البتہ جہاں ہمیں حکم مسئلہ کتاب و سنت سے ملے وہاں کلیات کتاب و سنت و سنن و سنن گیری کرتے

ہیں، اس زاویے سے کتاب و سنت سے سند ملے تو ”علامہ اسلام کا ایسا اتفاق جس سے شارع اسلام کی تائید کا انکشاف ہوتا ہو“ علامہ اعلام کا ایسا اتفاق ممکن ہی اس وقت ہوگا جب نبی یا امام کا اشارہ ہوا اور اگر ایسا نہ ہو تو اجماع بے سود، ہمارے فقہاء و اصولیین نے اس کے وقوع و عدم وقوع، امکان و عدم امکان اور اقسام پر طویل اور قیصر بحث کی ہے، اس پر قبول استناد الی المعصوم ہی ہے، اور

الف: اجماع علماء ہی حجت ہے جو پیغمبر یا امام کے زمانے میں ہوا ہو۔ اگر ہمارے زمانے میں کسی مسئلہ پر اجماع ہو جائے تو بعد والوں کے لئے حجت نہیں ہوگا۔
ب: اجماع، بحیثیت اتفاق آراء علماء، حجت نہیں، اس کی حجت کا شفعِ قول ہی و امام کی بنیاد پر ہے۔

عقل: فقہی مسائل کو حل کرنے اور حکم خدا و رسول معلوم کرنے کا چوتھا ذریعہ عقل ہے۔ لیکن عقل سادہ کار، عقل ہو کس پیشہ اور عقل عام و عوام کے بجائے عقل تربیت یافتہ، عقل پختہ کار، علوم قرآن و حدیث، وہ عقل جو قرآن و سنت میں زیر نظر ہے وہ عقل جس کی تعریف خدا و رسول نے کی ہے، جسے نزاکتوں کا احساس اور بندگی کا ادراک نام ہے جو حسن و قبح اشیا میں مسلکِ معصومین کو مانتی اور جبر و اختیار میں راہِ حق پر چلتی ہو، جو کتاب و سنت کے زیر اثر رہ کر خود انہی دو سندوں سے کلیات و اصول مانگ کر جزئیات کی تطبیق کرے اسی پسِ منظر میں ”دلیل عقلی“ کی تعریف یہ ہے: (بالفاظ محمد تقی العلیم)

”حکم عقلی یوصل بہ الی الحکم الشرعی وینتقل من۔

العلم بالحکم الی انعلم بالحکم الشرعی“

(اصول العامة للفقہ المقارن ص ۲۸۰)

اور ڈاکٹر رشیدی کے الفاظ میں :

”والدلیل العقلي من عبارة عن كل حكم للعقل يوجب
القطع بالتحكم الشرعي او كل حكم عقلي يتوصل
بصحيح النظر فيه الى حكم شرعي“

(العقل عند الشيعة الامامية ص ۳۳۲)

بالفاظ: شہید مرتضیٰ مطہری :

”اگر درموردی عقل یک حکم قطعی داشت، آن حکم بر حکم این کہ قطعی و
یقینی است حجت است“ (آشنائی با علوم اسلامی، اصول فقہ، فقہ

ص ۱۶)

یعنی: وہ حکم عقل جس سے حکم شرع کے بارے میں قطع و یقین کامل حاصل ہو۔
یا ہر وہ حکم عقلی جو صحیح بحث و نظر کے ذریعے حکم شرعی و علم حکم شرعی تک پہنچائے جیسے
ظاہر ہے کہ عقل معطل نہیں ہے، اصول دین عقل سے مانے جاتے ہیں اور فہم معانی
کتاب و سنت عقل پر موقوف ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فقہ میں عقل کو دخل دینے سے
روکا جائے جس طرح ہر علم و فن میں اختیارات عقل محدود ہیں، اسی طرح فقہ میں
استدلال و برہان عقلی سے یہ معلوم کرتے ہیں کہ فلاں مقام پر حکم وجوب ہے یا حکم تحریم۔ یا فلاں
حکم کیونکر ہے اور کیونکر نہیں ہے۔

علم اصول فقہ میں عقل سے مربوط اصول و حصوں میں بانٹے گئے ہیں:

- ۱۔ فلسفۂ احکام، یعنی ”ملاکات و منہات احکام“
- ۲۔ لوازم احکام: یعنی ایک حکم اور کچھ عمل اصل حکم کی تعمیل سے پہلے یا بعد انجام دینے
کا عقل مطالبہ کرتی ہے۔

۱۔ چونکہ شیعوں کے نزدیک احکام شرعی تابع سلسلہ مصالح و مفاسد ہیں اور واقع میں ہر حکم شرعی ایک لازم الاستیناف مصلحت پر مبنی ہے۔ اور ہر ہنری شرعی ایک مفسدہ لازم الاحتراز کی خبر دیتی ہے۔ انسانی سعادت کے لئے اللہ نے حقیقی مصلحتوں کا ایک سلسلہ واجب یا مستحب قرار دیا۔ اور ایک سلسلہ مفاسد سے دور رکھنے کے لئے حرام و مکروہ قرار دیا ہے۔ اگر وہ مصالح و مفاسد حقیقی نہ ہوتے تو امر و نہی بھی نہ ہوتی، امر و نہی کی اصل حکمت اگر انسان کو معلوم ہو جائے تو ہر عاقل شخص اس کے بارے میں وہی حکم دے جو شریعت میں دیا گیا ہے۔

علماء کلام و اصول دونوں کہتے ہیں، چونکہ احکام شرعی حکمت و مصلحت و مفسدہ کے تابع ہیں، خواہ ان کا تعلق جسم سے ہو جان سے، فرد سے ہو یا معاشرے سے، حیات باقی سے ہو یا زندگی فانی سے، لہذا جہاں وہ حکمت ہوگی وہاں اسی کی بنیاد پر حکم بھی ہوگا، جہاں وہ حکمتیں نہ ہوں گی وہاں احکام شرعی بھی نہ ہوں گے۔

فرض کیجئے کہ ایک مورد ایسا ہے جہاں نقلی (کتاب و سنت کی) دلیل موجود نہیں اور حکم شرعی معلوم کرنے کا ہے، اس موقع پر عقل سے رجوع کریں گے عقل جب مصالح و مفاسد اور مورد (مسئلہ و پیش آمد) میں ایک حکمت دریافت کر لیتی ہے، تو ہم ایک دلیل عقلی قائم کریں گے۔

۱۔ فلاں مسئلہ میں فلاں لازم الاستیناف مصلحت موجود ہے۔ (صغریٰ)

ب۔ جہاں مصلحت لازم الاستیناف موجود ہوتی ہے، شارع وہاں خاموش نہیں رہتا اور اسے حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (کبریٰ)

ج۔ لہذا مسئلہ زیر نظر میں امر موجود ہے۔ (نتیجہ)

مثلاً، شارع کے زمانے میں افیون کی عادت نہ تھی اس کا استعمال معلوم نہ ہوا تھا، ہمارے پاس اولہ نقلیہ موجود نہیں ہیں۔ لیکن مشاہدہ سے عقلی و تجربیاتی طور پر اس کے مناسد معلوم ہو چکے ہیں دوسرے لفظوں میں ہمارے علم و عقل نے ایک ”ملاک“ یعنی مفسدہ لازم الاحترار دریافت کر لیا ہے۔ یعنی انسان کے لئے جو شے مفید اور مفسدہ ہو شرعی طور پر وہ حرام ہے۔ لہذا مجتہد افیون نوشی کو حرام قرار دے گا۔

اگر سگریٹ کے لئے ثابت ہو جائے کہ سرطان پیدا کرتی ہے تو مجتہد حکم عقل کی بناء پر سگریٹ کی حرمت کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ لیکن یہ حکم اس کا ذاتی حکم نہیں ہوگا۔ بلکہ حکم شارع ہوگا۔

شرط یہی ہے کہ عقل مصلحت لازم الاستیفاء یا مفسدہ لازم الاحتراز قطعی و یقینی طور پر معلوم کرے۔ اور ”ملاک“ و ”مناط“ میں شک و شبہ محسوس نہ کرے۔ اگر ظن و تخمین، ظن و خیال ہو تو وہ مقام تیسرا ہے۔ یہ محل حکم عقل نہیں اور شبہ ایسے مسئلہ میں ایسی دلیل کو دلیل نہیں مانتے۔

جس طرح مناط حکم و مصلحت معلوم کر کے حکم دریافت کیا جاتا ہے اسی طرح حکم دیکھ کر مصلحت کا یقین کیا جاتا ہے۔ اور عقل حکم کرتی ہے کہ اگر حکمت نہ ہوتی تو فلاں چیز حرام اور فلاں عمل واجب نہ ہوتا۔ حکم شرعی مصلحت یا مفسدہ کا انکشاف کرتا ہے خواہ اس کی تہہ کو نہ پہنچ سکیں۔

۲۔ استعمالِ دلیل عقلی کے مسائل و احکام کا دوسرا حصہ ”لوازم احکام“ ہے، یعنی حاکم مائل جو حکم دیتا ہے اس کی بجا آوری کے لئے لوازم کا متناظر عقلی طور پر واجب ہے۔ جج واجب کیا گیا، شارع نے اس سلسلے میں پاسپورٹ، ویزے، ٹکٹ، راستے، ٹیکے، کرنسی کی تبدیلی کے لئے الگ الگ حکم نہیں دیئے۔ مگر شارع کی اطاعت

تسلیم کرنے والی عقل بطور قطع حکم دیتی ہے کہ مندرجہ بالا لوازم و مقدمات کا حکم بھی پہلے حکم کے ضمن میں ہوگا، یہ کام بھی عقل کا ہے کہ اصل حکم کے لوازم کا تعین کرے کہ فلاں چیز لوازم میں ہے، یا نہیں؟ واجب میں لوازم کا حکم کیا ہے؟ حرام میں لوازم و مقدمات کا حکم کیا ہے؟ مقدمہ واجب، واجب اور مقدمہ حرام، حرام ہے یا نہیں؟

ایک اور مسئلہ دیکھئے: انسان بیک وقت دو متضاد کام نہیں کر سکتا، مثلاً نماز صبح اور تطہیر مسجد نماز بھی واجب اور معلوم شدہ نجس مسجد کی تطہیر بھی واجب اور وقت اتنا ہے کہ ایک کام ہی کر سکتا ہے بلکہ ایک کام مستلزم ترک دیگر ہے، لہذا، عقل فیصلہ کرے گی کہ امرِ شئی مستلزم نہی ضد ہے یا نہیں؟ اور ایک کا حکم احضاد کے لئے نہی کا حکم چاہتا ہے یا نہیں؟

تیسرا مورد: دو واجب بجالانا ہیں، اور دونوں ایک وقت میں ادا نہیں ہو سکتے تاہم مجبور ہیں کہ دو میں سے ایک بجالائیں، اس صورت میں اگر ایک اہم ہے اور دوسرا واجب اہم تر تو کس کا انتخاب اور کس پر عمل کیا جائے؟ اور اہم تر سے تکلیف متعلق ہونے کی صورت میں اہم کی تکلیف ساقط ہو جائے گی؟ یا سقوط تکلیف بہ اہم اس وقت ہے جب اہم ترکو بجالانے میں مصروف ہو جائیں؟ اس بحث عقلی سے ایک اور اساسی مسئلہ وابستہ ہے کہ اگر ہم دونوں واجب بجالانے کو گناہ ہوئے یا ایک گناہ کیا مثلاً دو شخص ڈوب رہے ہیں، ہم دونوں کو نہیں بچا سکتے، ایک کا بچنا ممکن ہے۔ ایک متقی خدا ترس ہے، دوسرا فاسق و موزی، دونوں کی جان محترم ہے۔ اب مومن متقی اور عذمت گذارِ خلق کو بچائیں کہ اس سے پاس پڑوسیوں کو فائدے پہنچتے ہیں، یا دوسرے کو؟ ایک اہم اور دوسرا اہم تر ہے۔

اگر غفلت برتی اور دونوں ڈوب گئے تو دونوں کیے یا ایک مومن کی جان ضائع ہونے کا حرم کھا جائے گا اور دوسرے شخص کی ہلاکت میں مقصر نہ قرار پائیں گے؟
چوتھا مسئلہ: ایک کام دو مختلف زاویوں سے واجب بھی ہو سکتا ہے اور حرام بھی، یا نہیں؟ جب کہ ایک عمل ایک ہمت اور ایک زاویے سے حرام و واجب نہیں ہو سکتا، مسلم ہے مثلاً مال غیر میں بغیر اجازت تصرف اس حیثیت سے کہ مال غیر ہے حرام واجب دونوں ہو، ممکن نہیں۔ لیکن ایک صورت اور بھی ہے، جیسے نماز پڑھنا واجب ہے لیکن یہ نماز غیر آدمی کی زمین پر بغیر اجازت، تصرف مال غیر کی حیثیت سے حرام ہے یا نہیں ابھی یہ بات زیر بحث نہیں کہ شارع نے جائے نماز کے مباح ہونے کی شرط لگائی۔ زاویہ بحث نماز اور تصرف در مال غیر ہی ہے۔

ان چاروں مسائل میں فقہاء نے بڑی دقیق بحث کی ہے اور ان کے لیے جو عقلی کلیات مباحث ہیں ان کا مختصر حوالہ یہ ہے۔ مسئلہ اول کا تعلق ”مقدمہ واجب“ سے ہے۔ دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے کلیہ ”امرشی مقتضی نہی عن انصد“ سے ہے تیسرا مسئلہ بحث ”ترتب“ کے ذیل میں آتا ہے اور چوتھا مسئلہ تالیخ ”امرو نہی“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا پوری بحث ”اصول استنباط“ کہلاتی ہے اور فقیہ کی مہارت اور قوت اجتہاد یہاں معلوم ہوتی۔ یاد رہے کہ اصول استنباط مجموعی طور پر دو طرح کے ہیں۔
نقل: کتاب و سنت و اجماع اور عقل جس میں صرف عقلی کلیات و مباحث داخل ہیں۔
استنباط حکم کی دوسری شاخ اصول عملیہ ہیں۔

فقہ استنباط حکم شرعی میں اولیٰ الرب سے رجوع کر کے اکثر و بیشتر تکلیف شرعی معلوم کر لیتا ہے، لیکن کبھی حکم خدا معلوم کرنے میں ناکام بھی رہتا ہے۔ آخری صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ آیا شارع اور عقل یا دونوں نے اس کی تکلیف حقیقت و واقعہ میں متعین کی ہے یا نہیں؟ اگر

تکلیف متعین کی ہے تو وہ کیا ہے؟

شرعیات اسلامیہ کے کامل و مکمل اور ابتداء تک رہنے کا ثبوت یہ ہے کہ شارع نے ایسے قواعد و ضوابط متعین کئے جو ہر محلے میں رہنمائی دیتے ہیں اور جواب دیتے ہیں کہ ہاں، فریضہ معین ہے۔ کچھ ایسے مواقع ہیں جہاں عقل بھی حکم شرع کی تائید کرتی ہے، یعنی مستقل حکم عقل عین حکم شرع ہوتا ہے اور کہیں عقل خود ساکت اور تاباں شرع ہوتی ہے۔ وہ قواعد و ضوابط و دستور جو مذکورہ بالا مقامات پر رہنما اصول کا کام دیتے ہیں، چار ہیں:

۱۔ اصل برأت ذمہ: یعنی اصولاً ہمارا ذمہ آزاد ہے اور ہم پر کوئی فرض عائد نہیں ہے۔

۲۔ اصل احتیاط: یعنی اصولاً ہم وہ عمل کریں جو حکم واقعی و نفس الامری کے مطابق انجام پائے۔

۳۔ اصل تخیر: یعنی اصولاً مکلف دو تکلیفوں کے وقت کسی ایک کو اختیار کرنے میں آزاد ہے۔

۴۔ اصل استصحاب: یعنی اصل یہ ہے کہ جو پہلے تھا وہی حالت باقی ہے اور اس کے خلاف کوئی حالت طاری نہیں ہوئی۔

ان میں سے قاعدہ ”استصحاب“ خالص شرعی ہے اور باقی تین اصول عقلی ہیں لیکن شرعاً ان کی تائید موجود ہے۔ استصحاب کے بارے میں متعدد احادیث معتبرہ میں سے ایک حدیث ہے: ”لا تنقض الیقین بالشک“ یقین شک سے باطل نہیں ہوتا۔ اصل برأت کے لئے متعدد اخبار میں سے ایک حدیث ہے:

”رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي تِسْعَةٌ: مَا لَا يَعْلَمُونَ، وَمَا لَا يَطِيقُونَ، وَمَا اسْتَكَرَ هُوَا“

عليه، وما اضطر واليه، والخطاء والنسيان، والطيرة، والحد، والوسوسة في التفكير في الخلق؛
ترجمہ: میری امت سے نو چیزیں اٹھالی گئی ہیں، جو نہیں جانتے، جس کی طاقت نہیں رکھتے، جس پر
مجبور کر دیا جو جس کے لئے مجبور ہو گئے ہوں، خطا، نسیان، فال، حسد، تخلیق پر فکرمیں دوسوسہ۔

اس حدیث میں بحث مفصل اپنی جگہ ہے، اس موقع پر استدلال "ما لا يعلمون" سے ہے کہ اس
سے اصل برأت ذمہ ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

اصول اربعہ کا اطلاق کیونکر اور کہاں ہوتا ہے؟ بڑی تفصیل طلب بات ہے ہم ایک سادہ سی
مثال شہید مطہری کی کتاب سے نقل کرتے ہیں:

الف: ایک بچے نے زما ز شیر خواری میں دایہ کے پستان سے کئی مرتبہ دودھ پیا، یہ بچہ جوان ہوا اور
اس کی خواہش ہے کہ اس دایہ کی لڑکی سے عقد کرے۔ صورت یہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ اس لڑکے نے
دایہ کا دودھ لگتا رہتا رہتا مزید پیایا ہے یا ایک شب روز یا اس قدر پیایا ہے جس سے اس کا گوشت بنا ہو،
جیسا کہ منصوص ہے یا یہ شرط پوری نہیں ہوئی؟ اس محل پر اصل استصحاب جاری کریں گے۔ کیونکہ اس
کے ذمہ رضاعی ہونے میں شک ہے، اہل استصحاب کا مطلب یہ ہوگا کہ اس صورت حال سے پہلے وہ
عورت اس کی رضاعی ماں نہ تھی لہذا یہی حالت اب بھی باقی ہے، شک کا اعتبار نہیں۔

ب: وضو کیا، اونگھ آگئی، شک یہ ہے کہ مینہ آئی یا نہیں؟ (مینہ آئی تو وضو ٹوٹ گیا) اس موقع پر
وہیں استصحاب کے ذریعہ شک سے پہلے کی حالت یعنی وضو کا حکم برقرار رکھا جائے گا۔

ج: دوا کی شیشی ہے، شک ہے کہ اس میں الکحل ہے یا نہیں؟ تو اصل برأت ذمہ ہے۔

د: دو شیشیاں رکھی ہیں اور علم ابمالی ہے کہ ان میں سے ایک میں الکحل ہے۔ اصل احتیاط جاری
ہوگی اور دونوں کا استعمال نہیں کیا جانا چاہیئے۔

ه: ایسی جگہ پہنچے جہاں خطرہ ہی خطرہ ہے، سائے دوراں ہیں، جہاں موجود ہیں وہاں ٹھہرنے میں جان کا خطرہ
آگے بڑھیں تو ایک راستہ محفوظ، دوسرا غیر محفوظ، مگر محفوظ راستہ متعین نہیں، اب کیا حکم ہے؟ ٹھہرنے میں جان کا
خطرہ اور حفظ جان واجب ہے، دوسری طرف راستہ میں خطرہ اور جان کو خطرے میں ڈالنا حرام۔ دو مفروضوں میں تکلیف
شرعی معلوم نہیں، اصل اختیار ہے۔